رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۳

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے۔
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔

# الحکم

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

جلد ۲۳ | قادیان دار الامان مورخہ ۲۱ جون سنہ ۱۹۲۰ء | نمبر ۲۳


## دار الامان کا ہفتہ

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح ثانی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھے ہیں۔ اور مشاغل دینیہ میں مشغول ہیں۔ اور ترقی جماعت کے لئے روزانہ کوشاں ہیں:

(۲) مدرسہ احمدیہ کے طلباء مولوی فاضل کلاس کے سب امتحان میں پاس ہو گئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ کہ جب سے مدرسہ احمدیہ کے طلباء امتحان میں جانے لگے ہیں۔ کوئی موقع ایسا نہیں ہوا کہ کوئی طالب علم امتحان یونیورسٹی میں فیل ہوا ہو۔ حالانکہ یونیورسٹی کو اورینٹل کالج کے نتائج ایسے اعلیٰ ثابت نہیں ہوئے خدا کا خاص فضل ہے۔ کہ مدرسہ احمدیہ کے طلباء بہت اچھے نمبروں پر پاس ہوتے رہے ہیں۔ اس دفعہ مولوی غلام احمد صاحب مولوی محمد خان صاحب مولوی ظہور حسین صاحب۔ مولوی شاہزادہ صاحب مدرسہ احمدیہ سے کامیاب ہوئے ہیں۔ میں اس کامیابی پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور مولوی سرور شاہ صاحب و مصری صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ الحمد للہ کہ جماعت میں علماء کی تعداد میں نیا اضافہ ہوا:

(۳) ہمعصر رفیق حیات کے ایڈیٹر مولوی محفوظ الحق صاحب علمی نے بھی مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا خدا کے فضل سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں ہمعصر موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں:۔

(۴) اخویم مکرم سیٹھ محمد سعید صاحب آف جدہ قادیان میں فروکش ہیں۔ سیٹھ صاحب بمبئی میں بغرض تجارت تشریف لائے تھے مگر آپکی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ قادیان آئے بغیر واپس تشریف لے جاویں۔

عرب صاحب موصوف سیٹھ ابوبکر صاحب کے قابل قدر فرزند ہیں۔ عرب ابوبکر صاحب کو سلسلہ کے تمام احباب جانتے ہیں۔ گذشتہ سالانہ اجلاس میں پریزیڈنٹ بنائے گئے تھے۔ اور ان کی طرف سے ۱۷ ہزار روپیہ چندے کا اعلان کیا گیا تھا۔

عرب محمد سعید صاحب ایک قابل قدر نوجوان ہیں۔ بمبئی میں احمدیہ مشن قایم ہونے کا باعث یہی نوجوان تھا نوجوان موصوف کو تبلیغ کا اور سلسلہ کی حمایت کا ایک خاص جوش اور تڑپ ہے:

سیٹھ صاحب کا خاندان جدے میں اکیلا احمدی خاندان ہے۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو بڑی بڑی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین:۔

ان کے حالات مفصل لکھنے کا ارادہ ہے

نوٹ۔ اخبار چونکہ لیٹ ہوتا رہا ہے۔ اسلئے اس کی تاریخ درست کرنیکے لئے ۲۸ جون اور ۷ جولائی کا پرچہ اکٹھا شایع کیا جائیگا۔ احباب مطلع رہیں:

والسلام

# منقولات

اخباروں میں سے چیدہ خبروں کو احباب کی دلچسپی کیلئے درج اخبار کرتا ہوں٭

## ہجرت ہے یا بچوں کا کھیل

مسلمانوں میں آجکل ہجرت کے متعلق عجیب آپادھاپی ہو رہی ہے۔ اگر ایک لیڈر کہتا ہے۔ کہ ہجرت کرنا درست ہے تو چار اسکے خلاف رائے دیتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی قوم کیطرف سے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا جسپر کہ عام مسلمان عملدرآمد کر سکیں۔ امید تھی کہ آل انڈیا خلافت کانفرنس کے حالی کے اجلاس میں جو الہ آباد میں منعقد ہوا تھا۔ اس سوال کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کیا جائیگا۔ لیکن اس کانفرنس میں بھی سوال کو پیش تک نہیں کیا گیا۔ نہ اسوقت تک اور کسی طریق سے کوئی متفقہ فیصلہ اس تحریک کے متعلق کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو جسکے دل میں آتا ہے کرتا ہے ایک طرف جناب مسٹر ظفر علیخان صاحب ایڈیٹر زمیندار ہجرت کرنے والوں کی امداد کیلئے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ تو دوسری طرف ہمعصر وکیل کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تحریک کے حق میں نہیں ہیں۔ غرضیکہ عجیب حالت ہے۔ اگرچہ اس وقت تک کچھ اشخاص ہجرت کرکے کابل پہنچ بھی چکے ہیں اور ممکن ہے وہ محض مذہبی جوش اور شریعت اسلام کی تعمیل کے ارادے سے ہی گئے ہوں۔ لیکن اب جو حالات رونما ہو رہے ہیں۔ انسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک اب بچوں کا کھیل بن رہی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ امرتسر کے کچھ خورد عمر طلباء اپنے والدین کو اطلاع دئے بغیر ہجرت کے ارادے سے گھر سے نکل کر ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔ ان میں سے دو تین طلباء کے والدین کو وقت پر اطلاع ملگئی اور وہ انہیں ریلوے سٹیشن سے جاکر واپس لے آئے۔ ایک طالبعلم کی تلاشی لئے جانے پر اسکی جیب سے فاحشہ عورتوں کی ننگی تصاویر نکلیں۔ مزید تلاشی لینے پر اسکے اسباب سے کچھ چوری کا مال بھی نکلا۔ جو اس لڑکے نے اپنے ماسٹر کے گھر سے چرایا تھا ایک اور لڑکے کی نسبت بھی اسی قسم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے٭۔ اب یہ بچوں کا کھیل نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم مسلمان لیڈروں کو بروقت متنبہ کرتے ہیں۔ کہ انہیں اس تحریک کے متعلق جلدی کوئی متفقہ فیصلہ کرنا چاہیئے اگر یہ فیصلہ ہجرت کے حق میں ہو۔ اسپر کسی خاص نظام کے ماتحت باقاعدہ عملدرآمد شروع کرنا چاہیئے ورنہ اس آپادھاپی سے بجائے فائدہ کے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

٭ من نگویم کہ ایں مکن آں کن مصلحت بین و کار آساں کن

(تمام)

٭ یہ حالت کیا قابل شرم نہیں ہے۔)

## پنجاب کا ایف اے کا نتیجہ اور تعلیم میں مسلمانوں کی حالت

پنجاب کے کالجوں کا ایف اے کا نتیجہ نکل آیا۔ پنجاب میں ۲۳ کالج ہیں۔ جنمیں سے ۱۲ کالج ہندوؤں اور سکھوں کے ہیں۔ صرف تین کالج مسلمانوں کے ہیں۔ جن میں سے اسلامیہ کالج لاہور میں ۴۲ اور اسلامیہ کالج پشاور میں ۲۸ اور ایک تیسرے میں ۱۳ لڑکے پاس ہوئے ہیں اسکے مقابل میں صرف دیانند کالج میں ۲۲۹ لڑکے پاس ہوئے باقی کا اندازہ آپ خود کرلیں۔

## مسلمانوں کی دی ہوئی عزت
### نظام سے خطاب واپس لے لیا جائے

مسلمانوں کو اپنے محی الملت والدین (نظام حیدرآباد) سے بلا طلب اس امر کی توقع ہو سکتی تھی۔ کہ آپ ہجرت کر جائیں۔ اسلئے کہ انکی قربانی سب سے بڑی قربانی ہوتی اور جب تک کوئی خود اتنی بڑی قربانی نہ کرے۔ وہ دوسرے سے اسکا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا نظام کیلئے یہ ممکن نہ تھا۔ کہ وہ اپنی حکومت کو اس تحریک سے علیحدہ رکھتے۔ مگر اپنی رعایا کے حق آزادی تحریر و تقریر کو نہ چھینتے اور نظر بندی کے جابرانہ احکام نافذ نہ کرتے۔ جیسا کہ کسی اور ریاست نے اب تک نہیں کیا علماء فیصلہ کر چکے ہیں۔ کہ ان کے احکام دربارہ خلافت خلاف شرع ہیں۔ پس وقت آگیا ہے کہ مسلمان نظام سے اپنی اس دی ہوئی عزت کو واپس لے لیں (سیاست)

**بیویوں کا شوہر** امریکہ کا عیسائی حال ہی میں گرفتار ہوا ہے۔ اسکا اپنا بیان ہے کہ اس نے ۲۵ عورتوں سے شادی کی اور ان میں سے ۶ مسات کو بدست خود قتل کیا۔ باقیوں کو اسنے کشتی پر چڑھا کر وقتاً فوقتاً غرق کیا۔ اب اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا سودا ہے۔ لہذا میرا اسمیں کچھ بھی قصور نہیں٭ (تمام)

## اڑیسہ میں پندرہ سو آدمی قحط سے مرگئے

مسٹر ٹھاکر ممبر انجمن خدام ہند جو حال ہی میں اڑیسہ کا دورہ کرکے واپس آئے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ صوبہ مذکور میں ۴۰۰ سے زیادہ دیہات ہیں جہاں کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہے۔ اور ۱۵۰۰ کے قریب آدمی قحط سے مر چکے ہیں اس سے پہلے بھی تشویشناک خبریں آچکی ہیں۔ گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ خاص خیال کرکے صوبہ کی امداد کرکے قحط سے بچائے٭ (تمام)

## امریکہ کے عہدہ صدارت کیلئے ایک حبشی امیدوار

صدر امریکہ کے عہدہ کیلئے جو لوگ امیدوار ہیں ان میں جارجیا کا ایک حبشی بھی شامل ہے۔ غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ ایک حبشی امریکہ کے اس عہدہ کے لئے امیدوار بنا ہو۔ لطیفہ کی یہ بات ہے کہ اس شخص کے مقابلہ میں جو امریکہ میں کھڑا ہوا ہے۔ اسکا نام مسٹر وائٹ ہے جسکے معنی سفید یعنی گورہ کے ہیں۔ جارجیا والوں نے حبشی کے حق میں اس مسٹر وائٹ کے مقابلہ میں ۱۲ ووٹ زیادہ دئے ہیں٭

## لنڈن میں مسجد احمدیہ

لنڈن میں مسجد احمدیہ کیلئے جو چندہ وصول ہوا ہے اسکی مکمل فہرست شائع ہوگئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۱۹۲۰ء تک اس مد میں ۴۵۰۰۰ روپے وصول ہوئے ہیں یہ بذات خود احمدیوں کی سرگرمی کا نشان ہے کہ ایک لاکھ میں سے ۴۵ ہزار جمع ہو چکا ہے لیکن فہرست میں جس بات نے خاص طور پر ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے وہ یہ ہے۔ کہ یہ چندہ ۱۴۰ جگہوں سے آیا ہے اور ایک ایک جگہ میں کئی دینے والے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں احمدیہ جماعت کے خیالات پھیل رہے ہیں اگر کوئی ایک امیر احمدی اس تحریک کیلئے پچاس ہزار کی رقم دیدیتا تو اتنا قابل تعریف نہ ہوتا جتنا سینکڑوں آدمیوں کا اس رقم کو جمع کرنا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ باقی ۵۵ ہزار بھی جلد جمع ہو جائینگے۔ کیا آریہ برادرس اس واقعہ سے کوئی سبق لینگے وہ بھی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

# معاہدۂ ترکیہ

## اور

# مسلمانوں کا آئندہ رویہ

ذیل میں حضرت خلیفۃ المسیح کا وہ زبردست مضمون جو الہ آباد کانفرنس پر چھاپ کر بھیجا گیا اور بکثرت شایع کیا گیا۔ میں تمام احباب سے اور اخبارات کے ایڈیٹروں سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ وہ ٹھنڈے دل سے پڑھیں۔ اور غور کریں ۔ (شیخ محمود احمد)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

## خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

## ھُوَالنَّـاصِرُ

آج ۱۰ رمضان المبارک مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۳ء کو مجھے جناب مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلی کی طرف سے ایک خط ملا ہے۔ کہ یکم اور ۲ جون کو الہ آباد کے مقام پر ایک جلسہ مشورت منعقد ہوگا جس میں دولت علیہ عثمانیہ کے ساتھ شرائط صلح کے مسئلہ پر غور کیا جاویگا۔ اور آئندہ کیلئے طریق عمل تجویز کیا جاوے گا۔ اور اس میں اپنے خیالات بیان کرنے کے لئے مولانا نے مجھے بھی دعوت دی ہے۔

اگر میری شمولیت اس جلسہ میں کسی طرح بھی نفع رساں ہو سکتی اور مجھے امید ہوتی کہ میرا بذاتِ خود حاضر ہونا میرے اہل وطن اور میرے بھائیوں کیلئے کسی طرح بھی مفید ہو سکتا ہے۔ تو میں سو کام چھوڑ کر بھی اس اہم اور وسیع الاثر معاملہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا۔ مگر چونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس قسم کے جلسوں میں ایسے اشخاص کو جنہیں ذرہ بھر بھی اختلاف رائے ہو بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی اسلئے میرا بذاتِ خود آنا وقت کو ضایع کرنا ہے۔ مگر دوسری طرف چونکہ اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور انکی خیر خواہی اور خدمت اسلام کا جوش مجھے اسبات پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کوئی سنے نہ سنے۔ میں اپنا مشورہ ان تک پہنچا دوں۔ میں اس تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات سے اسموقعہ پر جمع ہونیوالے احباب کو آگاہ کرتا ہوں۔ اور چند معززدوستوں کے ہاتھ اس تحریر کو ارسال کرتا ہوں۔ کہ تا جن دوستوں کے دلوں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریر کا کوئی اثر ہو۔ وہ زبانی بھی میرے قایم مقاموں سے اس میں درج شدہ مسائل پر تبادلۂ خیالات کر سکیں ۔

اے احباب کرام! میں ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے وقت تحریر کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو توجہ دلائی تھی۔ کہ دولت عالیہ عثمانیہ کے مستقبل کے متعلق جد وجہد کی بنیاد اس امر پر رکھنی چاہیئے۔ کہ سلطان ترکی کثیر حصہ مسلمانان کے نزدیک خلیفہ ہیں اور باقی تمام مسلمان بھی بوجہ ان کے اسلامی بادشاہ ہونے کے ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس لئے ان سے معاہدہ صلح کرتے وقت تمام عالم کے مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھا جاوے۔ اور ان سے انہی اصول کے ماتحت معاملہ کیا جاوے۔ جسکے ماتحت دوسری مسیحی حکومتوں سے معاملہ کیا گیا ہے۔ اور میں نے بتایا تھا کہ اس طریق پر تمام وہ فرقے جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا آپس میں کیسا ہی اختلاف ہو۔ اس معاملہ میں اکٹھے ہو سکیں گے۔ لیکن افسوس کہ اسوقت آپ لوگوں کو میرا وہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کو یہ بات کہنے کا موقعہ ملا۔ کہ خلافت عثمانیہ کے متعلق مسلمانوں کی آواز ایک نہیں۔ اور اسلیئے یہ کہنا کہ ترکوں کے متعلق تمام مسلمانوں کی ایک رائے ہے۔ درست نہیں۔ اگر میرا مشورہ اسوقت تسلیم کیا جاتا تو احمدیہ جماعت کو خلافت کے مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کی کوئی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور وہ ترکوں کیلئے انصاف کا جائز طور پر مطالبہ کرنے میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو سکتی تھی۔ اگر اسوقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا۔ تو شیعہ اصحاب کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ علی الاعلان اس تحریک سے اظہار برأت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور وہ بھی دوسرے بھائیوں کے ہم زبان ہو کر اس مسئلہ کے متعلق اپنی ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے ۔

اگر اسوقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا۔ تو عربوں کو اسوقت جبکہ حالات زمانہ سے متاثر ہو کر پھر وہ حکومت ترکیہ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے۔ اور ان کی ہمدردی کا جوش ان کے دلوں میں موجزن تھا۔ یہ اعلان نہ کرنا پڑتا کہ خلافت صرف قریش کیلئے مخصوص ہے۔ اور نہ باوجود مخالفت کے ترکوں کی ہمدردی میں اپنی آواز بلند کر سکتے تھے۔ کیونکہ پچھلے دنوں سے یورپ کی بعض حکومتوں سے ان کو بعض شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔ اور وہ ایک حد تک ترکوں سے صلح رکھنے پر تیار تھے اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا۔ تو عرب کے وہابی فرقہ کو بھی کھلے طور پر اس مسئلہ میں دوسرے ممالک کے لوگوں کیساتھ شریک ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

اور اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا۔ تو یورپ کے لوگوں کو اس بات پر ہنسی اڑانے کا موقعہ نہ ملتا۔ کہ مسلمان اپنے خلیفہ کی حفاظت کی اپیل عیسائی حکومتوں سے کرتے ہیں۔ اور اگر اس کام کو تکمیل پر پہنچانے کے متعلق جو بات میں نے لکھی تھی۔ اس پر عمل کیا جاتا تو یقیناً شرائط صلح موجودہ شرائط سے مختلف ہوتیں۔ وفود کا بھیجا جانا اس قدر

معرض التوا میں ڈالا گیا۔ کہ عمل کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ امریکہ کی طرف کوئی وفد نہیں بھیجا گیا۔ عراق۔ شام۔ عرب اور قسطنطنیہ کی طرف وفد بھیجے جانے ضروری تھے مگر اسکا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ فرانس اور اٹلی کی طرف مستقل وفدوں کی ضرورت تھی مگر انکی طرف توجہ نہیں کیگئی۔ جاپان بھی توجہ کا مستحق تھا۔ اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔ انگلستان کی طرف وفد گیا۔ اور وہ بھی آخری وقت میں۔ ساری کوشش ہندوستان کی گورنمنٹ کو برا بھلا کہنے میں یا ان لوگوں کو گالیاں دینے میں صرف کر دیگئی۔ جو گو ترکوں سے ہر طرح ہمدردی رکھتے تھے۔ مگر سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر کیا گالیاں دینے سے کام ہوتے ہیں۔ کام کام کرنیسے ہوتے ہیں۔

اے احباب کرام! آپ غور فرماویں کہ اسلام کو اسوقت کس چیز نے نقصان پہونچایا ہے۔ اسلام کو نقصان پہنچایا ہے مسلمانوں کی غیر متقیانہ حالت نے۔ بزدلی نے بداخلاقی نے۔ کم ہمتی نے۔ منافقت نے۔ یہ چیزیں ہیں۔ کہ جن کے دور کرنیسے اسلام پھر ترقی کر سکتا ہے۔ مگر اس تکلیف کے ایام میں ان باتوں کی طرف کسقدر توجہ کیگئی ہے آج مسلمان اس سے بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ جسقدر کہ آج سے پانچ سو سال پہلے تھے۔ مگر وہ اسوقت فاتح تھے۔ آج مفتوح ہیں۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ اسوقت ان میں مذکورہ بالا باتیں نہ تھیں۔ مگر آج ہیں۔ پھر ان باتوں کے ترک کرنے اور اخلاق حسنہ کے حصول کیلئے کیا کوشش کیگئی ہے؟ کیا اس مصیبت اور تکلیف کے زمانہ میں انابت الی اللہ سے کام لیا گیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایسے لوگوں نے جو شہرت اور عزت کے دلدادہ ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق اور بھی بگاڑ دئے ہیں۔ اور بجائے ان میں خشیۃ اللہ پیدا کرنیکے ان کو اور بھی زیادہ شوخ بنا دیا ہے آج چاروں طرف مسلمانوں کی زبانوں پر گالیاں سنی جاتی ہیں۔ وہ تالیاں بجاتے سیٹیاں مارتے۔ اور اپنے مخالف خیالات والوں سے استہزا کرنے کے لئے بندروں کی طرح ہزاروں قسم کی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں۔ اور اسپر فخر کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے عظیم الشان خدمت اسلام کی ہے۔

اے ہمدردان اسلام! اسوقت جبکہ آپ نہایت سنجیدگی سے دولت عالیہ عثمانیہ کے مستقبل پر غور کرنیکے لئے بیٹھے ہیں۔ اور آپ کے دلوں میں غم اور فکر کا ہجوم ہے۔ اسوقت ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ناکردہ گناہ بچے۔ اور بیقصور عورتیں اس شدت گرما میں اس قصور پر پیاسے تڑپ رہے ہیں۔ کہ ان کے والدین یا شوہر کیوں سلطان المعظم کی خلافت کے قائل نہیں۔ اور مسلمان کہنے والے لوگوں نے نہ معلوم کس کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس پانی سے بھی ان کو روکدیا ہے جس سے خدا تعالیٰ کافر سے کافر انسان کو بھی نہیں روکتا۔ اب آپ سمجھیں۔ کہ کیا ان کی آہیں اور ان کی چیخ و پکار خدا تعالیٰ کے عرش کو ہلا کر اسی بات کی درخواست کر رہی ہوگی کہ اے ہم پر ظلم کرنے والوں کے کام میں برکت دے۔ اور ان کی مرادوں کو پورا کر جبکہ کربلا اور نجف کے مقدس میدانوں کی حفاظت کا سوال پیدا ہو رہا ہے۔ خود ہندوستان میں اسی قسم کے نمونے دکھائے جا رہے ہیں۔ جو یزید اور اسکے ساتھیوں نے دکھائے۔ محض اس اختلاف رائے پر کہ کیوں احمدی خلافت عثمانیہ کے قائل نہیں انکو پانی سے روکا جاتا ہے۔ ان کو خرید و فروخت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کے گھروں میں کام کرنے سے مہتروں کو باز رکھا جاتا ہے۔ اور ان پر نماز ادا کرتے وقت کنکروں کی بارش کیجاتی ہے۔ کیا اس تنگی کے وقت میں اسی قسم کی انابت سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کو اپنی طرف کھینچنے کی سعی کرنی چاہیئے تھی۔ اور کیا اگر انکے اس ظلم سے تنگ آکر احمدی منافقت سے ان کے ہم خیال ہو جاویں۔ (کیونکہ جبر سے دلوں کو تسلی نہیں ملا کرتی) تو کیا ایسے منافقوں کی امداد سے مسلمان کامیاب ہو جاوینگے۔ یہ وقت تو ایسا تھا۔ کہ مسلمانوں میں جرأت اور دلیری پیدا کی جاتی۔ اور ان کو دلیر بنایا جاتا۔ نہ کہ منافقت پر ان کو مجبور کیا جاتا۔ کیا ان جاہلوں کو کوئی اسقدر سمجھانیوالا نہیں ہے۔ کہ جو لوگ ان سے ڈر کر اپنے صحیح خیالات کو چھوڑ دینگے۔ وہ ان سے زیادہ طاقتور لوگوں کے دباؤ سے کیا موقع ملنے پر ان کے مخالف نہ بن جاوینگے۔

غرض مجھے افسوس ہے۔ کہ اس کرب و اندوہ کے زمانہ میں وہ صحیح رویہ اختیار [illegible] کیا گیا۔ جس سے کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔ لیکن اب جبکہ پھر آپ لوگ دوبارہ اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ تو میں اخلاص اور محبت سے آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ شاید کسی سچے خیرخواہ اسلام کے دل پر میری بات اثر کرے۔ اور وہ خدمت اسلام کے لئے کمر ہمت باندھکر کھڑا ہو جاوے۔

سب سے پہلا سوال شرائط صلح کے متعلق یہ ہے۔ کہ آیا یہ درست ہیں۔ اور مطابق انصاف ہیں۔ اس سوال کے متعلق میرے نزدیک اب ہم کو زیادہ غور و فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سوال کا حل میں کچھ نفع نہیں دیکھتا۔ مگر پھر بھی آئندہ نسلوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنے کیلئے اور ان شرائط کے تیار کرنے والوں کو اپنی رائے سے واقف کرنے کے لئے میں اپنی رائے ان مختصر الفاظ میں ظاہر کر دیتا ہوں۔ کہ ترکوں کے متعلق شرائط صلح کا فیصلہ کرتے وقت ان اصول کی پابندی نہیں کیگئی۔ جن کی پابندی یورپ کے مدبر انصاف کے لئے ضروری قرار دے چکے ہیں۔

عراق کی آبادی کو ایسے طور پر اپنی رائے کے اظہار کا موقع نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ جرمن کے بعض حصوں کو ان سے باقاعدہ طور پر دریافت نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اپنے لئے کس حکومت یا کس طریق حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ شام کی آبادی کو باوجود اس کے صاف صاف کہدینے کے کہ وہ آزاد رہنا چاہتی ہے فرانس کے زیر اقتدار کر دیا گیا ہے۔ فلسطین کو جس کی آبادی کا ۴/۵ حصہ مسلمان ہے ایک یہودی نوآبادی قرار دیدیا گیا ہے۔ حالانکہ یہود کی آبادی اس علاقہ میں ۱/۱۰ کے قریب ہے۔ اور یہ آبادی بھی جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے ۱۸۸۱ء سے ہوئی ہے۔ اور زیادہ تر ان پناہ گیروں کی ہے۔ جنہوں نے ان ممالک سے آکر یہاں پناہ لی ہے۔ جنہیں یہودیوں پر ظلم کرنا سیاست کا ایک بڑا جزو قرار دیا گیا ہے

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) (یعنی رُوس وغیرہ)



پس ایسے علاقہ سے ترکوں کو دست بردار کرانا اور یہود کے سپرد کر دینا جس میں کثیر حصہ آبادی مسلمان ہے۔ اور جو یہود کیلئے ایک ہی جائے پناہ تھی۔ کیا اس جرم کے سبب سے ہے۔ کہ انہوں نے کیوں یہود کو اسوقت پناہ دی۔ جبکہ مسیحی حکومتیں ان کو اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کر رہی تھیں؛ یہی حال لبنان کا ہے۔ اس کو فرانس کے زیر اقتدار دینا بالکل کوئی سبب نہیں رکھتا۔ اور آرمینیا کا آزاد کرنا بھی بے سبب ہے۔ کیونکہ آرمینیا کا جائے وقوع ایسے علاقہ میں ہے جسکے چاروں طرف ترک آباد ہیں۔ اور ان کی الگ حکومت بنانے سے یہ مطلب ہے۔ کہ ترک قوم آپس میں اتحاد نہ کر سکے اور رُوسی ترکستان کے لوگ کسی وقت بھی ایشیائے کوچک کے ترکوں سے مل سکیں پھر آرمینیا کو جو بہت سے علاقہ دئے گئے ہیں۔ ان میں کثیر حصہ آبادی کا مسلمان ہیں۔ اور ایسی بعض ولایت کے دینے کی تجویز ہے۔ جہاں کی آبادی قریب قریب ساری مسلمان ہے۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہے۔ کہ آرمینین مسیحیوں نے نہایت بیدردی سے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ اور خود وزیر انگلستان اسبات کا انکار نہیں کر سکے۔ کہ آرمینین مسیحیوں نے بھی مسلمانوں پر سخت سے سخت مظالم کئے۔ پس اگر ترکوں کو اس جرم میں اس علاقہ کی حکومت سے بے دخل کیا جاتا ہے۔ کہ وہ کردوں کو آرمینین مسیحیوں پر ظلم کرنے سے کیوں نہیں روک سکے۔ تو آرمینین مسیحیوں کو جو خود مسلمانوں کو قتل کرنے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ مسلمانوں پر کیوں حکومت دیدی گئی ہے۔ اور اگر کوئی ایسے قواعد بنا دئے گئے ہیں۔ کہ جنکے ماتحت آرمینین مسیحی مسلمانوں پر ظلم نہیں کر سکیں گے۔ تو کیوں انہی قواعد کے ماتحت آرمینیا کو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھا گیا۔ تا مسلمان مسیحیوں پر ظلم نہ کر سکتے؛

اسی طرح کرنا کو یونان کے حوالہ کرنا بھی خلاف انصاف ہے۔ کیونکہ کسی ملک کے صرف ایک شہر میں کسی قوم کی کثرت آبادی اسے اس شہر کی حکومت کا حقدار نہیں بنا دیتی۔ اور یہ اصول کبھی بھی سیاست میں تسلیم نہیں کیا گیا اور اس کا نتیجہ سوائے فساد کے کچھ نہیں نکلیگا۔ اور یقیناً چند سال بعد یونانی اس علاقہ میں فتنہ اندازی کرینگے اور علاقہ بڑھانے کی فکر کرینگے؛

تھریس جو ترکوں سے لیکر یونان کو دیا گیا ہے۔ اس کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ خود وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج اس بات کا اقرار کر چکے ہیں۔ کہ وہاں کی آبادی کا کثیر حصہ ترک ہے۔ پھر اس ملک کو یونان کے سپرد کر دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر مسٹر لائڈ جارج کے بعد کے بیان کو بھی کہ وہاں کی اکثر آبادی غیر ترک ہے۔ مان لیا جاوے۔ تو بھی اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس علاقہ کا نہایت کثیر حصہ مسلمان ہے۔ پس اگر اس وجہ سے کہ وہاں کی اکثر آبادی ترک نہیں۔ اس علاقہ کو ترکوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو یونان کو تو کسی طرح اس علاقہ پر حق حکومت نہ تھا۔ اسصورت میں یہاں آزاد حکومت قایم کر دیجاتی۔ یونانیوں کو اس علاقہ کے سپرد کر دینے کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ کہ وہ حسب عادت تھوڑے ہی عرصہ میں خفیہ اور ظاہر تدابیر سے وہاں کے لوگوں کو یا مسیحی ہونے پر مجبور کرینگے۔ یا ان پر سخت ظلم کر کے ان کو ان علاقوں سے نکال دینگے؛

غرض میرے نزدیک اس معاہدہ کی کئی شرائط میں حقوق کا اتلاف ہوا ہے اسلیئے جسقدر جلد یورپ اسمیں تبدیلی کرے۔ اسی قدر یہ بات اسکی شہرت اور اس کے اچھے نام کے قیام کا موجب ہوگی۔ لیکن سوال ہے کہ اگر اتحادی حکومتیں ان شرائط کو بدلنے سے انکار کریں۔ تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے اور میرے نزدیک یہی اہم سوال ہے۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اتحادی ان شرائط کو نرم نہیں کرینگے؛

اس سوال کے جواب میں کہ اگر اتحادی اس معاہدہ کو نرم نہ کریں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ مختلف آراء پیش کیگئی ہیں۔ بعض نے ہجرت کی تجویز پیش کی ہے۔ بعض نے جہاد عام کو پسند کیا ہے۔ بعض نے قطع تعلقی کی پالیسی کو سراہا ہے مگر میرے نزدیک ان سب تجاویز میں سے ایک تجویز بھی درست نہیں اور نہ قابل عمل ہے؛

ہندوستان کی سات کروڑ آبادی ہندوستان کو چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتی اور نہ اس کے باہر جانے کی کوئی غرض اور فائدہ ہے۔ ہجرت اسوقت ضروری ہوتی ہے۔ جبکہ اس علاقہ میں جہاں کوئی شخص رہتا ہے۔ اسکو ان احکام شرعیہ کے بجا لانیکی آزادی نہ ہو۔ جو افراد جماعت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کوئی حکم ایسا نہیں ہے۔ جو افراد مسلمانان سے تعلق رکھتا ہو۔ اور جس کا بجا لانا اس ملک میں ناممکن ہو۔ اور پھر عملی پہلو اس تجویز کا لیا جاوے۔ تو بھی اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کس قدر آدمی ہیں۔ جو اس تجویز پر عمل کرنیکے لئے تیار ہونگے۔ پس علاوہ اسکے کہ یہ تجویز شریعت کے خلاف ہوگی۔ اس کو پیش کرنے سوائے اپنی سبکی کرانے اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونیکے اور کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ جو اس تحریک کے پیش کرنیوالے ہیں۔ وہ خود بھی اس تحریک پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔

دوسری تجویز جہاد کی ہے۔ جہاد اس ملک میں رہ کر جائز نہیں۔ اس ملک میں رہنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہم برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارا اس ملک میں رہنا ہی ایک عملی معاہدہ ہے۔ جو ہم حکومت برطانیہ سے کرتے ہیں۔ پس اس ملک میں رہتے ہوئے کسی طرح بھی گورنمنٹ کا

مقابلہ کرنا ایک غداری ہوگی۔ اور غداری اسلام میں جائز نہیں۔ ہمیں سب سے زیادہ اپنا مذہب عزیز ہونا چاہیئے۔ اگر ہم تمام دنیا کی حکومت کے لئے بھی اپنا مذہب قربان کر دیتے ہیں۔ تو ہم گھاٹے میں رہینگے۔ پس حکومت برطانیہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اسکی حفاظت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یا اسکے متعلق تدابیر سوچنا ایک مسلمان کیلئے جو اپنے مذہب کی کچھ بھی قدر کرتا ہے۔ ناجائز ہے۔ اور اسلام کی عظمت کرنیوالا مسلم اس تجویز پر بھی عمل نہیں کر سکتا؛

اگر کہا جاوے۔ کہ باہر جاکر پھر جہاد کریں۔ تو اول تو اس سوال کیساتھ پھر ہجرت کا سوال آجاویگا۔ جسے میں پہلے ناجائز اور ناممکن ثابت کر چکا ہوں۔ دوئم جہاد کیلئے یہ شرط ہے۔ کہ اس حکومت سے کیا جاوے۔ جو اسلام کو مٹانے کیلئے مسلمانوں پر حملہ کرتی ہے۔ اور ترکوں سے جنگ کرنیمیں اتحادیوں نے ابتدا نہیں کی۔ نہ اس جنگ کیوجہ اسلام کو مٹانا تھی۔ پس جب تک یہ ثابت نہ کیا جاوے۔ کہ اس جنگ کی ابتداء اتحادیوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اتحادیوں نے ترکوں سے اسلئے جنگ کی تھی۔ کہ وہ انکو جبراً عیسائی بنالیں۔ جہاد ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو برطانیہ کی حکومت کے نیچے رہتے ہیں جائز نہیں ہو سکتا؛

تیسری تجویز یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ سے قطع تعلق کیا جاوے۔ اس تجویز کے متعلق بھی میری یہ رائے ہے۔ کہ قطع تعلق بھی ایک قسم مقابلہ کی ہے۔ اور اس پالیسی پر عمل کر کے بھی ہندوستان میں امن قایم نہیں رکھا جا سکتا۔ ضرور ہے کہ جو لوگ اپنے کاموں سے علیحدہ ہوں۔ آہستہ آہستہ ان کی ضروریات دنیاوی ان کو تنگ کریں۔ اور وہ مجبور ہو کر ناجائز ذرایع اور جبر سے اپنے گذارے کا سامان پیدا کریں۔ پھر پیشتر اسکے کہ اس تجویز پر عمل کیا جاوے۔ یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اس تجویز کی غرض کیا ہے۔ میرے نزدیک اسکی ایک ہی غرض ہو سکتی ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ پر اس ذریعہ سے دباؤ ڈالا جاوے۔ اور اس غلطی کی اصلاح کروائی جاوے جو ترکوں کے معاہدہ صلح میں ہوئی ہے۔ سو اول تو اگر اس قطع تعلق کا کوئی اثر ہو بھی۔ تو وہ صرف ہندوستان پر ہوگا۔ اور ہوگا بھی سالہا سال کے بعد۔ کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سب مسلمان اس بات پر آمادہ ہو جاوینگے۔ تو بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو اس کام کے لئے آمادہ کرنے کیلئے سالہا سال کی جد و جہد اور تلقین کی ضرورت ہوگی۔ اور اسوقت تک کہ یہ تجویز عملی جامہ پہنے گی۔ معاہدہ ترکیہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہو چکا ہوگا۔ اور اسوقت اگر گورنمنٹ برطانیہ کی مرضی بھی ہوگی تب بھی وہ فرانس اور یونان اور آرمینیا کو اپنے اپنے حصہ سے علیحدہ نہیں کر سکیگی۔ دوئم اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر سب مسلمان اس تجویز پر عمل کرنے لگیں۔ تب بھی وہ گورنمنٹ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے

کیونکہ اس ملک کی آبادی کا صرف چوتھا حصہ مسلمان ہے۔ ۳/۴ ہندو ہیں۔ اور قریباً چالیس لاکھ عیسائی ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ کو اس کے خطاب واپس کر دئے جائیں۔ تو اس سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر اسکی ملازمت سے علیحدگی کی جاوے تو ہندوستان کی ۳/۴ آبادی ان کی جگہیں پر کرنے کے لئے تیار ہے؛

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ہندو سربرآوردہ اسوقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونیکے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن اس تجویز کی مخالفت ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے۔ اور یقیناً پانچ فی صدی ہندو بھی مسلمانوں کا ساتھ نہ دینگے اگر مسلمان وکلاء اپنا کام چھوڑ دینگے۔ تو خود مسلمان بھی اپنی داد رسی کیلئے ہندو وکلاء کی خدمات کو حاصل کرینگے۔ اور وہ شوق سے ان کے مقدمات لینگے۔ اور اگر مسلمان جج استعفا دیدینگے۔ تو ہندو امیدوار فوراً ان کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھینگے۔ اگر فوجی مسلمان استعفا دیدینگے۔ تو علاوہ اسکے کہ وہ فوجی قواعد کی خلاف ورزی کر کے سزا پاوینگے۔ ان کا مستعفی ہو جانا ایسا مؤثر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہندو قوم اب فوجی خدمات کی اہمیت سے کافی طور پر واقف ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے قدیم ملک کو بلا حفاظت چھوڑنے پر کبھی رضامند نہ ہوگی۔ غرض ہر ملازمت کیلئے دوسری اقوام کے لوگ نہ صرف ملجاوینگے۔ بلکہ شوق سے آگے بڑھینگے۔ کیونکہ ملازمت تلاش کرنے والوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہے۔ ایسے لوگ مسلمانوں کے اس فیصلہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھیں گے۔ اور ان کی بے وقوفی پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔ پس سوائے اسکے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اور تعلیم سے محروم ہو جاویں۔ اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونے کے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں اور زیادہ خطرہ میں ڈالدیں۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؛

میں اسجگہ یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میری اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کے لیڈر جان بوجھ کر مسلمانوں کو اس کام پر آمادہ کر رہے ہیں۔ تا وہ ان کے لئے میدان خالی چھوڑیں۔ میں ان لیڈروں کو جو اس امر میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں۔ دیانتدار سمجھتا ہوں اور جو کچھ میں کہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا کثیر حصہ اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور علاوہ اس تجویز کے بذاتہٖ غلط ہونے کے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک تمام ملک اس بات پر کاربند ہونے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ کبھی بھی اس تجویز کا مفید نتیجہ نہیں نکلیگا اگر ہندو بھی ساتھ مل جاویں۔ تب بھی ہندوستان کی ملکی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے یورپین اور کرسچن کافی ہیں۔ اور فوجی ضروریات کو یورپین فوج کے علاوہ سکھ اور گورکھے پورا کر سکتے ہیں۔ اور یہ قومیں

ہرگز اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دینگی۔ پس اگر یہ تجویز فساد کا موجب نہ بھی ہو۔ جو میرے نزدیک یقیناً ہوگی۔ اور اگر تمام کے تمام مسلمان اسپر کاربند ہونے کے لئے تیار بھی ہو جاویں۔ جو یقیناً نہ ہونگے۔ تو بھی اس تجویز پر عمل کر کے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنے کی امید رکھنا ایک امر موہوم ہی نہیں بلکہ یقینی طور پر غلط ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں یہ بات یقینی ہے۔ کہ اس تجویز پر عمل کر کے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت بھی بالکل ٹوٹ جاویگی۔ اور اس ایک ملک میں بھی جس میں مسلمانوں کی ظاہری حالت کسی قدر اچھی نظر آتی ہے وہ کمزور اور ناطاقت ہو جاوینگے۔ اور اس سب تباہی کا الزام انکے اپنے سر ہوگا غرض میرے نزدیک اسوقت تک جس قدر تجاویز پیش کیگئی ہیں۔ وہ یا تو شریعت کے خلاف ہیں۔ یا ناقابل عمل اور میرے نزدیک مسلمانوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ اور اس زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھکر مسلمانوں کیلئے صرف یہی راہ کھلا ہے۔ کہ وہ متفق اللسان ہوکر یہ بات اتحادی حکومتوں کے گوش گذار کردیں۔ کہ انہوں نے ترکوں سے شرائط صلح خود اپنے تجویز کردہ قواعد کے خلاف بنائی ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان ان کے اندر مسیحیت کے تعصب کا ہاتھ پوشیدہ دیکھتے ہیں۔ اور کیپیلیسٹ کے فوائد کی نگہداشت انمیں مدنظر رکھی گئی ہے۔ اور وہ ان سے ان کے اس فیصلہ کے تبدیل کرنیکے لئے اپیل کرتی ہیں اور اگر وہ اس فیصلہ کو تبدیل نہ کریں۔ تو اس فیصلہ کی اپیل وہ انکی آئندہ نسلوں کی کانشنوں سے کرتے ہوئے اور اپنے مذہب کے احکام کے ماتحت ہر قسم کے فساد اور شورش سے اجتناب کرتے ہوئے اس امر کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تجاویز پر عمل کر کے جو اسوقت تک پیش کی جاچکی ہیں۔ اور نہ اس تجویز پر عمل کر کے جو اسوقت میں نے پیش کی ہے ان شرائط میں تبدیلی کرائی جاسکتی ہے۔ جو اتحادیوں نے مقرر کی ہیں۔ لیکن اگر مسلمان اس تجویز پر عمل کرینگے۔ جو میں نے بتائی ہے۔ تو یقیناً چند سال کے بعد خود وہی لوگ جو اسوقت اس فیصلہ پر خوش ہیں۔ ورنہ ان کی اولادیں ضرور ان شرائط کو پڑھ کر شرم سے اپنی گردنیں نیچے جھکا لینگی۔ اور جس طرح اور بہت سے تاریخی معاملات میں خود اولادوں نے اپنے آباؤ کے فیصلوں کو حقارت اور نفرت سے دیکھا ہے۔ اس فیصلہ کو اتحادیوں کی آئندہ نسلیں افسوس اور حیرت کی نگہ سے دیکھینگی۔ لیکن اگر اسکے برخلاف شورش وفساد سے کام لیا گیا۔ تو دلائل کا پہلو ان شرائط کے طے کرنیوالوں کے حق میں بھاری ہو جاویگا۔ اور خود مسلمانوں کی آئندہ نسلیں مسلمانوں کے اس طریق عمل کے بیان سے شرمائینگی۔ اور شورش پھیلانیوالا رویہ بجائے مفید ہونے کے ان شرائط کی کمزوری پر پردہ ڈالکر دنیا کی نظروں کو اور طرف پھیر دے گا؛

مگر میرا مشورہ اسی حد تک محدود نہیں۔ جو لوگ کسی فیصل شدہ امر کو جو ان کے فوائد کیلئے مضر ہو۔ اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ مسلمان تو وہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے بھی اسکے فیصلہ کو تبدیل کروالیتا ہے اور گریہ وزاری اور دعاؤں سے اسکے رحم کو جذب کرلیتا ہے۔ پس میں صرف اسی کارروائی کا مشورہ نہ دونگا۔ بلکہ اسکے علاوہ میرے نزدیک مسلمانوں کو آئندہ کیلئے ایک عملی پروگرام بھی بنانا چاہیئے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس معاہدہ کی پابندی کا اثر اسلام پر کیا پڑیگا۔ اس سوال کا جواب دیتے وقت ایک چیز نمایاں طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اور وہ ان علاقوں کی نگہداشت ہے۔ جنمیں مسلمان بستے ہیں اور جنہیں یونان اور آرمینیا کے سپرد کردیا گیا ہے۔ یونانیوں اور آرمینیوں کا تعصب اسلام سے اسقدر بڑھا ہوا ہے۔ کہ اسکے ثابت کرنیکے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جو کچھ ان دونوں قوموں نے پچھلے دنوں میں مسلمانوں سے کیا ہے۔ اسکو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے۔ کہ انکی حکومت میں باوجود یورپ کی تمام تسلیوں کے مسلمانوں کو امن نہ ہوگا۔ اسی طرح یورپ کے نئے تغیرات کے ماتحت اور کئی علاقوں میں بھی مسلمانوں کو امن نہ ہوگا۔ پس اس خطرہ سے ان ممالک کے بھائیوں کو بچانے کیلئے فوراً بلا تاخیر ایک عالم گیر انجمن اسلامیہ قائم ہو جانی چاہیئے۔ جس کا کام یہ ہو کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کی اطلاع رکھے۔ اور اسبات کی خبر رکھے کہ دنیا کے کسی علاقہ میں مسلمانوں کو ظاہر و مخفی ذرائع سے اپنے مذہب کے تبدیل کرنے یا بصورت دیگر ہلاک ہو جانے پر تو مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور اس غرض کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں ایسے مبلغ بھیجنے چاہئیں۔ جو ہر جگہ کے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ثابت قدمی سے پابند رہنے کی تلقین کریں۔ اور اسبات کا خیال رکھیں کہ کسی جگہ مسلمانوں کو جبراً تو اسلام سے نہیں ہٹایا جاتا۔ خواہ وہ جبر ظاہر اسباب سے ہو خواہ مخفی اسباب سے۔ وہ اسکی جستجو رکھیں۔ اور جسوقت کوئی ایسی بات معلوم ہو فوراً مرکز کو انکی اطلاع دیں۔ تاکہ تمام متمدن دنیا کو اس سے اطلاع دیجاوے۔ کیونکہ ظالم گو کس قدر بھی طاقتور ہو۔ جب اسے معلوم ہو کہ میرا ظلم دیکھنے والے موجود ہیں تو اسکو بہت کچھ دبنا پڑتا ہے۔ اور اپنے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں بغیر کسی طاقت کے استعمال کے ان غریب مسلمانوں کے مذہب کی نگہداشت بھی ہو سکیگی۔ جو متعصب حکومتوں کے زیر حکومت رہتے ہیں۔ اور دنیا کو بھی ان خفیہ ریشہ دوانیوں سے آگاہی ہوتی رہیگی۔ جو اسلام کے مٹانے کیلئے بعض حکومتیں کررہی ہیں۔ اور زیادہ عرصہ نہیں گذریگا کہ یورپ کی نظروں میں مسلم ظالم مسلم مظلوم ثابت ہو جاویگا؛

یہ تجویز ایک نہایت اہم تجویز ہے۔ اور گو میں بالتفصیل اسکے متعلق اسوقت اور اسجگہ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو سنجیدگی سے اسپر غور کریگا۔ اسکی اہمیت کو محسوس کریگا۔ اور اسکے وسیع اثرات کا اندازہ لگانے کے قابل ہو جاویگا۔ میں اسجگہ یہ بھی اعلان کردینا چاہتا ہوں کہ میں نے بغیر اس امر کا انتظار کئے

کہ دوسرے لوگ اس امر کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر دی ہے۔ اور مختلف ممالک میں دو دو آدمی اس غرض کیلئے بھیجنے کی تجویز کر دی ہے۔ اور میری جماعت کے جانباز دنکی ایک جماعت نے اپنے آپ کو اس غرض کیلئے وقف بھی کیا ہے۔ جو عنقریب سہولت راہ میسر آنے پر اپنے اپنے مخصوصہ علاقہ میں چلی جاویگی؛

دوسری بات ہمیں یہ سوچنی چاہئیے کہ اسلام پر اس قدر مصائب کی وجہ کیا ہے آخر کیا سبب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی دوستی کی بجائے اس سے دشمنی شروع کر دی ہے وہ خدا تعالیٰ جو پہلے اسلام کے لئے اپنے قہری نشان ظاہر کیا کرتا تھا اب کیوں اس کیلئے اپنی قدرت کے کرشمہ ظاہر نہیں کرتا۔ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے تعلیم قرآن کو بھلا دیا ہے اسلئے ان پر یہ آفت آئی ہے۔ انہوں نے خود حضرت مسیح کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے بھی مسیحیوں کو ان پر فضیلت دیدی۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ بجائے اپنے اوقات کو بیفائدہ ضائع کرنیکے خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ اور اسکے فضل کی تلاش کرو۔ اور پھر یاد رکھو کہ جیسا کہ میں نے ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے موقعہ پر تحریر کیا تھا۔ اسوقت اسلام کی ترقی کیلئے ایک ہی راہ کھلا ہے۔ کہ ہم تبلیغ اسلام کیلئے کھڑے ہو جاویں۔ یورپ کو ترکوں سے نفرت جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ کسی بد انتظامی کی وجہ سے نہیں بلکہ درحقیقت اسکی وجہ یورپ کا یہ خیال ہے۔ کہ اسلام تہذیب کا دشمن ہے۔ اور وہ اسکو اپنی دنیا کا دشمن سمجھ کر جو انکو بہت عزیز ہے۔ مٹانا چاہتے ہیں پس جب تک یورپ کے دل سے بلکہ تمام مسیحی دنیا کے دل سے یہ خیال دور نہ کیا جاویگا اسوقت تک ہرگز مسلمانوں کے مصائب دور نہیں ہو سکتے۔ درحقیقت یہ ذلت جو اسوقت مسلمانوں کو پہنچ رہی ہے۔ اسقدر زمینی نہیں۔ جسقدر کہ آسمانی ہے۔ قرآن کریم کے صحیح احکام کو پس پشت ڈالکر مسلمان اس ذلت کو پہنچے ہیں۔ اور اب وہ اسی صورت سے اس سے نکل سکتے ہیں۔ کہ جب پچھلی غفلتوں کا کفارہ دیں۔ اور اپنے نفسوں کی اصلاح کر کے اس امانت کو پہنچائیں۔ جو سب دنیا کو پہنچانے کیلئے ان کے سپرد کی گئی تھی خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کا فرض مقرر کیا تھا۔ کہ وہ اسلام کو دنیا کے سب کناروں تک پہنچاویں۔ لیکن انہوں نے اس فرض کو اسطرح پس پشت ڈالدیا کہ گویا ایک تنکے کے برابر بھی ان کو اسکی پرواہ نہیں۔ تب خدا تعالیٰ نے انکو بتا دیا کہ اس فرض کا پورا کرنا خود انکے لئے مفید تھا۔ نہ کہ خدا تعالیٰ کیلئے۔ اگر اسلام کو کوئی بھی نہ مانے تب بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر کچھ فرق آتا ہے۔ تو مسلم کے ایمان میں اور اسکے امن میں۔ پس اب بھی ان مصائب سے بچنے کا یہی علاج ہے۔ کہ دین اسلام کے غلبہ کیلئے مسلمان کھڑے ہو جاویں۔ حکومتیں اسلام کے پہلے نہیں آئیں بلکہ بعد میں آئی ہیں۔ اب بھی اگر اسلام قائم ہو جاوے۔ حکومتیں خود بخود چلی آ دینگی خوب یاد رکھو کہ مذہبی اتحاد سب سے مضبوط اتحاد ہے۔ جب دنیا کی قومیں اسلام کو قبول کر لینگی۔ تو کیا چیز ہے۔ جو انکو اسلام کے آثار مٹانے پر مائل کریگی۔ وہ تو اسلامی آثار کے قیام کیلئے خود بیقرار ہونگی۔ پس کیوں اس جماعت کو جو اسلام کو مٹانیکے درپے ہے۔ اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیا اسلئے کہ آپ لوگوں کو خود اسلام کی خوبیوں پر یقین نہیں۔ اور اسکی قوت جذب کا تجربہ نہیں اگر ایسا ہے تو یورپ پر اسلام کی دشمنی کا کیا شکوہ ہے۔ جب خود مسلمانوں کو اسکی خوبیوں پر یقین نہ ہو۔ تو دشمن اسکے حسن کا دلدادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یقین مانو کہ اسلام اپنے اندر بہت بڑی قوت جاذبہ رکھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ فیصلہ بھی کر چکا ہے۔ کہ اسے دنیا میں پھیلاوے۔ اور اس نے اسکے لئے اپنے مامور کو بھیج بھی دیا ہے۔ اب مایوسی کا وقت نہیں کیونکہ مایوسی گو ہمیشہ ہی بری ہوتی ہے۔ مگر امید کا سورج جب چڑھ آتا ہے تو تب اس سے زیادہ مکروہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پس اٹھو۔ اور اپنے جوشوں کے پانی کو یونہی زمین پر بہنے دینے کی بجائے تبلیغ اسلام کی نہر کے اندر محدود کر دو۔ تا ان کا کوئی فائدہ ہو اور ان سے کام لیا جا سکے۔ پانی جب سطح زمین پر بہ جاتا ہے۔ تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہی پانی جب نہر کی شکل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ تو اس سے ہزاروں ایکڑ زمین سیراب کی جا سکتی ہے۔ اور آبشاریں بنا کر اس سے بجلی نکالی جا سکتی ہے۔ پس اے احباب کرام ملک کے جوش کو بے ہودہ طور پر ضائع نہ ہونے دو۔ بلکہ اس سے اسلام کی ترقی کیلئے کام لو۔ اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کی نصرت کسطرح نازل ہوتی۔ اور اسلام کے جلال کو دنیا پر ظاہر کرتی ہے۔ میری جماعت اس کام کو پہلے سے کر رہی ہے۔ اور اس کام کیلئے آدمی مہیا کر سکتی ہے۔ پس اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اسلام کے خیرخواہ ہوں تو اس کام کیلئے بڑھیں۔ کہ اس سے زیادہ متبرک کام اسوقت کوئی نہیں۔ اور یہی سچی اسلامی ہمدردی ہے۔ ورنہ جلسہ کرنا۔ اور ریزولیوشن پاس کرنا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا؛

اسلام خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اور قرآن اسکے منہ کا کلام ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ کمزور انسان اسکو مٹا سکے خصوصاً وہ انسان جو ایک کمزور انسان کو خدا مانکر اسکے آگے سجدہ کرتا ہے۔ درحقیقت سب وبال مسلمانوں کے اسلام کو پرے پھینک دینے کا ہے۔ اور افسوس ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی وہ اسکی طرف متوجہ نظر نہیں آتے۔ کاش! اب بھی مسلمان اسطرف متوجہ ہوں۔ اور ان انعامات میں شریک ہو جاویں جو خدا تعالیٰ خادمان اسلام کو دینا چاہتا ہے۔ درحقیقت وہ اسی امر کا منتظر ہے کہ کسقدر مسلمان اس خدمت میں شامل ہو کر اسکی رضاء کو حاصل کرتے ہیں ورنہ اسلام کی ترقی کا وقت آ چکا ہے۔ اور خواہ ساری دنیا ملکر اسلام کو مٹانا چاہے تو نہیں مٹا سکتی۔ یہ آخری صدمہ واقعہ میں آخری صدمہ ہے اب اسلام کے بڑھنے کے دن شروع ہوتے ہیں۔ اور اب ہم دیکھینگے کہ یہی کیونکر اسکی اٹھتی ہوئی لہر کو روکتی ہیں خدا کی غیرت اسکے مامور کے ذریعہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور اب سب دنیا دیکھ لیگی کہ آئندہ اسلام مسیحیت کو کھانا شروع کر دیگا اور دنیا کا آئندہ مذہب وہی مذہب ہوگا جو اسوقت سب سے کمزور مذہب سمجھا جاتا ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین؛

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان۔